رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۴۷

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاہدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون

ماہواری رسالہ

انوار الصوفیہ

جلد ۱ بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۲۳ھ نمبر ۱

جولائی - اگست ۱۹۰۵ء

فہرست مضامین

انجمن خدام الصوفیہ
کی طرف سے

مطبع فیض عام لاہور میں طبع ہو کر شائع ہوا

انوار الصوفیہ رسائل پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری
نے انجمن خدام الصوفیہ کے زیر اہتمام 1904 کو شروع کروایا تھا



تاجدار بہاولپور

رسالہ انوار الصوفیہ کی 1904 کی ابتدائی 12 جلدیں مہیا
کرنے پر میں پروفیسر فاروق منشاد صاحب کا مشکور ہوں

پروفیسر محمد منشاد علی جماعتی رحمتہ اللہ علیہ
خلیفہ مجاز علی پور سیداں شریف

نوٹ: یہ رسائل باباجی سرکار پروفیسر منشاد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے
خود پروفیسر فاروق صاحب کو دیے تھے، اور ان تمام رسائل
کی سکینگ کا تمام کام پروفیسر فاروق صاحب نے کیا ہے،
جن کی لسٹ مندرجہ بالا ہے (بختیار حسین جماعتی)



پروفیسر فاروق منشاد جماعتی

1 1904 Agust	5 1905 February	9 1905 June
2 1904 September	6 1905 March	10 1905 July
3 1904 October	7 1905 April	11 1905 Agust
4 1905 January	8 1905 May	



مقاصد و اغراض انجمن خدام الصوفیہ

(۱) اتحاد جمیع سلاسل صوفیہ مثلاً نقشبندیہ چشتیہ قادریہ سہروردیہ وغیرہ

(۲) اشاعت علم تصوف۔

(۳) فراہمی کتب تصوف

(۴) اجرائے رسالہ انوار الصوفیہ جسمیں صوفیہ کرام کا تذکرہ۔ اخلاق و آداب وغیرہ درج ہوں۔

نوٹ

ہر ایک قسم کی خط و کتابت متعلقہ انجمن خدام الصوفیہ یا رسالہ انوار الصوفیہ و ترسیل زر و منی آرڈر و تبادلہ اخبارات و رسالجات بنام حافظ ظفر علی ایڈیٹر رسالہ ہذا بمقام لاہور۔ لوہاری منڈی۔ دفتر رسالہ ہذا ہونی چاہیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد

یہاں بھی تو وہاں بھی تو زمیں تیری فلک تیرا
کہیں ہمنے پتا ہرگز نہ پایا آجتک تیرا

صفات و ذات میں یکتا ہے تو اے قادرِ مطلق
نہ کوئی تیرا ثانی ہے نہ کوئی مشترک تیرا

جمالِ احمدؐ و یوسفؑ کو رونق تو نے بخشی ہے
ملاحت تجھ سے شیریں حسن شیریں ہے نمک تیرا

تیرے فیضِ کرم سے نار و نور آپس میں یکجا ہیں
ثنا گر یکجا ہاں ہر ایک ہے جن و ملک تیرا

کسی کو کیا خبر کیوں خیر و شر پیدا کئے تو نے
کہ جو کچھ ہے خدائی میں وہ ہے بے ریب و شک تیرا

نہ جلتا طور کیونکر کس طرح موسیٰ نہ غش کھاتے
کہاں یہ تاب و طاقت جلوہ دیکھے مردمک تیرا

دعا یہ ہے کہ وقتِ مرگ اس کی مشکل آساں ہو
زباں پر داغؔ کے نام آئے یارب یک بیک تیرا

نعت

الٰہی آئے وہ جھونکا ہوائے شوق بیحد کا
اڑا لے جائے دکھلائے مجھے روضہ محمدؐ کا

خدا کے نور کے ہمراہ نورِ مصطفیٰ دیکھا
مزہ موسیٰ سے پوچھا چاہیئے تکرار بیحد کا

بچی طوفان سے کشتی آ کے ٹھہری کوہِ جودی پر
کہا جب نوحؑ نے یارب بچا صدقہ محمدؐ کا

خلیل اللہ پر کیسی گلستاں ہو گئی آتش
ہوا مشکلکشا موجہ نسیمِ باغ احمدؐ کا

بٹھایا تخت شاہی پر مہِ کنعاں کو زنداں سے
وہاں دشوار تھا آزاد کرنا کیا مقید کا

رہائی پائی قیدِ بطنِ ماہی سے جو یونس نے — اشارہ یہ بھی تھا اک نون ابروئے محمد کا
کبھی ایوب کے شافی کبھی یعقوب کے حامی — بھرا درِ عنایت سے نہ دامن کس کے مقصد کا
قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے — اشارہ وہ نقطہ زیرِ بے کا طالب نقطہ تھا بد کا
مشکک معجزِ شق القمر میں کچھ جو شک لائے — کرے دو پارہ وہ تشدید سر کاف مشدد کا
شجر مانندِ انساں جھکے استقبال کو آئے — ہوا جب جنبشِ مژگاں سے ایماں اُس سہی قد کا
دلِ انساں کو کیا اُس کا گوارا ہو غمِ فرقت — کرے نالہ جگر جب چاک ہو چوبِ مسند کا
شکم پر سنگِ اسود اور فاقے سے شکم خالی — ہوا ثابت کہ کعبہ بھی مقلد ہے محمد کا
شبِ معراج کیا اُس مقتدا نے مرتبہ پایا — خدا مشتاق شہرہ قدسیوں میں آمد آمد کا
دکھایا صاف خرق و التیامِ ماہ کا عالم — جدا ہو کر ملا کیا نورِ حق سے نورِ احمد کا
رکابوں سے ملیں آنکھیں جھکایا سر قدموں پر — ملا جبریل کو رستے میں کیا موقع خوشامد کا
کہا جو کچھ کہ کہنا تھا سنا جو کچھ کہ سننا تھا — وہی قائل وہی سامع سماں آوازہ گنبد کا
گئے حضرت پھر آئے حضرت مٹی گرمی نہ بستر کی — قدم تھا ایک ہی گویا در آمد کا برآمد کا
خدا سے جو ملا معراج میں نقدِ عطا اُن کو — دیا امت کو عقدہ کھول کر زلفِ معقد کا
نہ دولت کی تمنا ہے نہ حشمت کی ہوس مجھ کو — الٰہی عشق احمد کا الٰہی عشق احمد کا
زیارت کو چلوں یا رب چڑھے یہ غل مدینہ میں — غلام آیا محمد کا غلام آیا محمد کا
سلیقہ گو نہیں دربار کا لیکن توقع ہے — صبا در رحم کھا کر راہ بتا دیجیو خوشامد کا
عجب کیا اشک کی صورت گریں مولا کے قدموں پر — نکل کر پتلیاں دونوں کے شوقِ بوسہ مسند کا
درِ فردوس پر محشر میں رضواں یوں پکاریگا — بڑھے جس جس کے دل میں داغ ہو عشقِ محمد کا
دعا مانگوں عقیدت سے صبا در سب کہیں آمیں — الٰہ العالمیں صدقہ ذریعہ پاک احمد کا

امیرِ بے نشاں کا نقش جب مٹنے لگے یا رب
زباں پر نام تیرا نقش دل پر ہو محمد کا

علم تصوّف کی تعریف

"یہ مضمون ہمارے مکرّم دوست مولوی محمد عظیم صاحب متوطن گکھڑ کا عطیہ ہے۔ رسالہ نمبر ۲ میں بھی آپ کا ایک مضمون " علماء و صلحا " کی سُرخی سے درج ہے۔ آپ صاحب تصانیف ہیں۔ اور جناب شاہ صاحب قبلہ علیپوری دامت برکاتہم کے سلسلہ خدام میں داخل ہیں فی الحقیقت مولوی صاحب نے علم تصوف کی تعریف جو حضرات مشائخ عظام نے مختلف الفاظ میں بیان فرمائی ہے اُن اقوال کو جمع کرنے میں بڑی محنت کی ہے۔ جزاہ اللہ فی الدارین"۔ ایڈیٹر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد لولیہٖ والصلوٰۃ علیٰ نبیہٖ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

پیارے دوستو! **علم تصوف** ایک ایسا پاک اور مقدس علم ہے کہ جسکی حقیقت یا تعریف بیان کرنے کے لئے ایک میرے جیسے غرق بحر غفلت سگِ مُردار دُنیا کا کام نہیں۔ بلکہ میری زبان کھولنا بھی ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ کی مضبوط زنجیر پاؤں میں جکڑی نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہ اُن پاک وجودوں کا کام ہے جو اسکی حقیقت سے کلی ماہر ہیں۔ جن کو اس بحرِ ناپیدا کنار کی غواصی کا پورا تجربہ ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جو معدودے چند ایسے پاک انفاس بزرگ موجود ہیں وہ اپنے اشغال و اذکار میں ایسے مشغول و مصروف ہیں کہ تحریر اور خصوصاً اُردو تحریر کی طرف اُن کو بہت کم توجہ ہے۔ اور آج یہ زمانہ ہے کہ جب تک اُردو زبان میں کوئی مضمون نہ بیان کیا جائے تب تک عوام الناس بالخصوص انگریزی تعلیم یافتہ احباب زیادہ تر توجہ ہی نہیں کرتے۔ اور قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر کسی چیز کی محبت کسی کے دل میں بٹھانی ہو تو اُس کی تعریف کیجائے۔ تعریف ایسی شئے ہے کہ خواہ مخواہ جس کی تعریف کیجائے طبیعت اُسکی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا میں نے اپنی استطاعت اور حوصلہ اور لیاقت سے بڑھ کر اس مضمون کے بیان کرنے میں جرأت کی ہے

باکمال اصحاب سے استدعا ہے کہ گو میں اپنی ٹوٹی پھوٹی ژولیدہ تقریر سے علم تصوف کی پوری حقیقت نہ بیان کر سکوں مگر تاہم ممکن ہے کہ کسی قدر خیال اس علم کا ان سامعین یا ناظرین کے دلوں میں پیدا کر سکوں جن کو اس علم سے مس ہی نہیں۔ میری لغزش کی اصلاح فرما کر مجھے طعن و تشنیع سے معاف رکھا جاوے۔ ع بر کریماں کارہا دشوار نیست

زمانہ سابقہ اور حال کا اگر تطابق کیا جائے تو بہ نسبت زمانہ سابقہ کے ایک بات نئی یہ دکھائی دیتی ہے کہ ہر ایک شخص اپنے اپنے خیالات کو وحی یا الہام سمجھ بیٹھا ہے اور اُسے اُس خیال سے نکال کر دوسرے خیال میں لانا بہت دشوار ہو گیا ہے۔ ہمارے نوجوان تعلیم یافتہ دوستوں کی طبائع کسی نئے علم کی طرف متوجہ ہوتے ہی سب سے اوّل اُس کے ڈیفینیشن (تعریف) معلوم کرنے کی طرف بہت جلد بازی کرتی ہیں۔ اور اس بات کی شائق ہوتی ہیں کہ چند مختصر اور جامع الفاظ میں اُس علم کی تمام کیفیت کماحقہٗ واضح ہو جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ اوّل تو میں اس علم میں ایسا کمال ہی نہیں رکھتا کہ کوئی ایسی علم تصوف کی تعریف اپنی طرف سے بنا کر مختصر الفاظ میں چند جملوں میں بیان کر دوں۔ دوسرا جہاں تک مجھے اس علم کی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اُن میں بھی کوئی ایسی مختصر اور جامع متفقہ تعریف نگاہ سے نہیں گذری جس کو یہاں بیان کر کے ناظرین پر اس علم کی تعریف ظاہر کر دی جائے۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس علم کے مستند فضلاء و کملاء نے مختلف موقعوں پر کسی سائل کے جواب میں یا وعظ و تقریر میں مناسب حال یا مناسب وقت میں علم تصوف یا صوفی لوگ کی کیفیت لوگوں کے ذہن نشین کرنے کے لئے بالکل مختصر اور تعریفی فقرات استعمال کئے ہیں مزید براں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ وہ تمام اقوال آج تک کسی ایک جگہ ایک کتاب یا رسالہ میں جمع نہیں کئے گئے ہیں بلکہ ہر ایک بزرگ کے حالات یا ملفوظات یا تصنیفات میں مختلف مواقع پر متفرق طور پر وہ اقوال مندرج ہیں جن کا اُن تمام مقامات سے تلاش و تفتیش کر کے نکالنا اور ایک جگہ جمع کرنا کوئی آسان کام نہیں تاہم خاکسار نے مختلف کتب تصوف سے

ایسے چند اقوال چھانٹ کر نکالے ہیں جو محض تصوّف اور صوفیوں کے متعلق ہیں۔
پیارے دوستو! اتنی بات بھی واضح رہے کہ تصوّف کے کسی مسئلہ کے متعلق اگر دس بیس پچاس۔ سو صوفیوں سے کبھی سوال کیا گیا تو تقریباً سب سے ہی اُس ایک خاص مسئلہ کی نسبت بظاہر مختلف قسم کے جوابات حاصل ہوئے ہیں۔ اِسکی وجہ سوائے اِس کے اور کوئی نہیں کہ سائلوں یا مخاطبوں یا سامعین کے مختلف ہونے کی وجہ سے اُن کے فہم اور سمجھ اور ادراک اور مذاق کے مطابق مختلف قسم کے جوابات دِئے گئے ہیں۔ اور بعض دفعہ خود متکلموں یا جواب دینے والوں کے درجوں اور منزلوں میں تفاوت ہونے کی وجہ سے جواب دینے والوں نے اپنی اپنی سمجھ اور ادراک کے مطابق جوابات دئے یعنی جس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا اُن مسئلہ میں جس حد تک اُن کے فہم کی رسائی تھی یا جس قدر حقیقت اُس مسئلہ کی اُن پر منکشف ہو چکی تھی اُسی حد تک اُنھوں نے اُس کا جواب دیدیا۔ بااِیں ہمہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ خواہ جوابات کے الفاظ و عبارات میں کتنا ہی تفاوت یا فرق ہو اس علم کی حقیقی سمجھ رکھنے والے اس بات کو سمجھ سکتے ہیں۔ کہ دراصل مقصود تمام جواب دینے والوں کا ایک ہی اصوُل پر مبنی ہے اور اصل مطلب سب کا ایک ہی ہے۔ اگر غور سے کام لیا جائے تو بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ فرق صرف اِتنا ہے کہ ہر ایک نے اپنی اپنی قوّت بیانیہ اور اپنے یا اپنے مخاطب کے ادراک اور فہم اور مذاق کے مطابق الفاظ و عبارات کسی قدر مختلف استعمال کئے ہیں۔
علیٰ ہٰذا اس علم کی حقیقت کہ علم تصوّف کیا ہے؟ اور صوُفی کس کو کہتے ہیں؟) مختلف صوفیائے کرام رح نے بظاہر مختلف طور پر بیان کی ہے۔ بلکہ بعض دفعہ ایک ایک صاحب نے بھی مختلف موقعوں پر مختلف الفاظ استعمال کئے ہیں مگر جس کو تصوّف کی چاشنی یا اس علم سے مذاق ہو وُہ اگر نفسِ مضموُن کو بنظرِ تعمق دیکھے تو کوئی مغائرت معلوُم نہیں ہوگی۔ کیونکہ مقصوُد سب جوابات کا ایک ہی ہے۔
مثلاً جب حضرت **ذوالنون مصری** رحمۃ اللہ علیہ سے پوُچھا گیا کہ صوُفیہ کون لوگ ہیں؟

تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: ھم قوم آثروا اللہ عزّ وجل علی کل شئ فآثرھم اللہ عزّ وجل علی کل شئ۔ یعنے وُہ لوگ ہیں جنہوں نے خُدائے پاک کو ساری چیزوں پر اختیار کیا ہے اور خُدائے پاک نے اُن کو ساری چیزوں سے چُن لیا ہے اور اپنا مقبول بنالیا ہے۔ پھر ایک موقعہ پر آپ سے سوال کیا گیا۔ کہ "صوفی کس کو کہتے ہیں؟" تو آپ نے فرمایا کہ "صوفی مردیست کہ خدائے را برہمہ چیز گزیند"۔ یعنے صوفی وُہ ہے جو خدائے عزّ وجل کو ساری چیزوں پر اختیار کرے۔

عوارف المعارف بابِ پنجم میں حضرت ممدوح الصدر سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مَیں نے مُلک شام کے ساحل میں ایک عورت دیکھی مَیں نے اُس سے پُوچھا کہ تم کہاں سے آتی ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ "مَیں ایسے لوگوں کے ہاں سے آتی ہُوں جو (حفظ نفس کے واسطے) اپنی کمر کو اپنے بستروں سے نہیں لگاتے ہیں اور اپنی خواب گاہوں میں نہیں سوتے ہیں۔" دوبارہ مَیں نے اُس کو کہا کہ "اب آپ کہاں جائینگی؟" کہا کہ "مَیں ایسے لوگوں کے پاس جاؤں گی جن کی رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ تعریف ہے۔ مطلب یہ کہ مَیں ایسے لوگوں کے پاس جاؤنگی جن کو تجارت اور خرید و فروخت سودا سلف لینا اور دینا (معاملات دنیاوی) اپنے مولیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتے ہیں۔ مَیں نے پھر کہا کچھ اور بھی اُن کی تعریف کیجئے۔ تو اُس نے بکمال شوق یہ شعر پڑھے؎

قوم ھمومھم باللہ قد علقت
فما لھم ھمم تسمو الی احد

فمطلب القوم مولاھم وسیدھم
یا حسن مطلبھم للواحد الصمد

ما ان تنازعھم دنیا ولا شرف
من المطاعم واللذّات والولد

ولا للبس ثیاب فائق انق
ولا لروح سرور حل فی بلد

الا مسارعۃ فی اثر منزلۃ
قد قارب الخطو فیھا باعد الابد

فھم رھائن غدران واودیۃ
وفی الشوامخ تلقاھم مع الغدد

یعنے وُہ ایسی قوم ہے کہ اُن کے ارادے اور ہمتیں اللہ پاک ہی کے ساتھ متعلق ہیں اور اُس سے تعلق رکھتے ہیں اور اُنکی ہمتیں ایسی نہیں جو اور کسی کی طرف راغب ہوں۔ وُہ ایسی قوم ہیں کہ اُن کا سارا مطلب اور مقصد اللہ ہی ہے جو اُن کا مولا اور سید و سردار ہے۔ اور واحد اور صمد ہے۔ یہ کیا اچھا اُن کا مطلب ہے۔ نہ دُنیا اُن کو کسی تنازع میں ڈالتی ہے نہ اچھے کھانوں اور لذتوں اور اولاد سے نہ اچھی اور نفیس پوشاک پہننے سے۔ نہ اور کسی خوشی و آرام سے جو شہر میں آنے سے ہو اُن کو کچھ شرف اور عزت ہے۔ مگر ہاں وُہ اپنے مرتبہ اور منزل میں تیزی سے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ اُن کے قدوم اُن کی منزل مقصود کے نزدیک اور پچھلی منزل سے دُور ہمیشہ کے لئے ہوتے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو چشموں اور سیل گاہوں میں بسے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر آپ ایسے بہت لوگوں سے ملیں گے۔

تذکرۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحنے فرمایا الصوفی اذا نطق بان نطقہ من الحقائق واذا سکت نطق عنہ الجوارح بقطع العلائق یعنے صوفی وُہ ہے جو کچھ وہ کلام کرے وہ کلام اُس کے حال کی حقیقت ہو (یعنی حال ہو نرا قال نہ ہو) اور جب چُپ کا ہو رہے تو اُس کا معاملہ اُسکے حال کا بیان کرنے والا ہو۔ اور اُس کا حال تعلقوں کے قطع کرنے پر گواہ ہو۔

اور حضرت عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ صوفی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ صُوفی آن ہست کہ صاف بود از کدر و پُر شود از فکر و در قربِ خُدا منقطع شود از بشر۔ و یکساں شود درچشم او خاک و زر۔ یعنے صوفی وُہ ہے کہ تمام کدورتوں سے صاف ہو جائے اور فکر سے پُر ہو جائے۔ اور خُدائے پاک کے قرب میں (اوصاف) بشریت سے منقطع ہو جائے۔ اور اُس کی نظر میں مٹی اور سونا یکساں دکھائی دے۔ سچ ہے سہ

جو سنگِ در پہ ترے سایہ واز بیٹھے ہیں	وہ لات دولت دُنیا پہ مار بیٹھے ہیں

کسی اور موقعہ پر حضرت ممدوح الصدر نے تصوّف کی تعریف بدیں الفاظ فرمائی کہ "تصوف اندک خوردن است۔ و با خدا آرام گرفتن۔ واز خلق گریختن" یعنے تصوّف کم کھانے اور خدائے پاک کے ساتھ آرام پکڑنے (یعنے خدا تعالےٰ کے ذکر کے بغیر تسکین نہ ہونے) اور دُنیا کے لوگوں سے بھاگنے کا نام ہے۔

اور حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوّف کی تعریف میں فرمایا ہے۔ کہ "تصوّف گرفتن حقائق۔ وگفتن بدقائق۔ ونومید شدن از انچہ ہست در دست خلائق" یعنے تصوّف حقائق کا پانا اور پکڑنا اور دقائق کا کہنا۔ اور جو کچھ خلائق کے ہاتھ میں ہے اُس کی طرف نظر نہ کرتا اور اُس سے نا اُمید ہو جاتا ہے۔

دُوسرا پیارا قول آپ کا صوفی کی تعریف میں یہ ہے کہ "صُوفی اینجا مہمان است تقاضائے مہمان بر میزبان جفا است مہمان با ادب بود نہ متقاضی" یعنے صوفی اِس مہمانخانۂ عالم میں مہمان ہے۔ مہمان کا تقاضا میزبان پر سراسر بے ادبی ہے۔ مہمان با ادب وُہ ہے جو منتظر ہو۔ متقاضی نہ ہو۔ مطلب یہ کہ خدائے پاک نے اس دنیا میں جو مہمانخانہ ہے اِس میں طرح طرح کے الوانِ نعمت اور اقسام دولت ہر ایک کے لئے احکام و آثار کے مہیّا اور تیّار کئے ہیں۔ مہمان کا تقاضا میزبان پر کہ لاؤ فورمہ کھلاؤ اور ابھی لاؤ اور یہ دو وُہ دو۔ جفا اور سراسر بے ادبی ہے۔ بلکہ میزبان جو اپنی مہربانی سے دے اُسی پر مطمئن ہو۔ اسی مضمون میں عاشق نامی مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک رباعی ہے ؎

مہمانِ تو ام درصفِ اربابِ ارادت	بنشستہ بہر چیز کہ آید ز تو راضی
بنہادہ بخوانِ کرمت دیدۂ اُمید	انعام ترا منتظر و نے متقاضی

اور حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ نے اِس علم کی تعریف اِس مختصر جملے میں

ادا فرمائی ہے کہ "تصوف ہمہ اوست" یعنی تصوّف ہمہ اوست کا نام ہے۔
حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقعہ پر تو صوفی کی یہ تعریف کی کہ "صوفی آنست کہ دلِ او چوں ابراہیمؑ سلامت یافتہ باشد از دوستیٔ دنیا۔ و بجا آرندہ فرمانِ خدا بود۔ و تسلیمِ او چوں تسلیم اسماعیلؑ۔ و اندوہِ او چوں اندوہِ داؤدؑ۔ و فقرِ او چوں فقرِ عیسےٰؑ۔ و صبرِ او چوں صبر ایوبؑ۔ و شوقِ او چوں شوقِ موسیٰؑ در وقت مناجات۔ و اخلاصِ او چوں اخلاصِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام"
یعنی صوفی وُہ ہے کہ اُس کا دل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح دنیا کی دوستی سے سلامت ہو۔ اور خُدائے پاک کے فرمان کا بجالانے والا ہو۔ اور اُس کی تسلیم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ہو۔ اور اُس کا اندوہ مثل اندوہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہو۔ اور اُس کا فقر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مانند ہو۔ اور صابر حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح ہو۔ اور شوق میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کی مانند مُناجات کے وقت ہو۔ اور اُس کا اخلاص حضرت سرورِ عالم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی مانند ہو۔ تب تو صُوفی ہے ورنہ خیر۔
اور دُوسرے موقع پر آپ نے صرف یہ چند مختصر الفاظ صوفی کی تعریف میں فرمائے کہ "صوفی چوں زمین باشد کہ ہمہ پلیدی بروے افگنند و ہمہ نکوئی ازوی برآید"
یعنی صُوفی زمین کی مثال ہے کہ تمام لوگ اُس پر پلیدی پھینکتے ہیں اور اُس سے اُس کے بدلہ میں نیکی ہی آتی ہے یعنی اُس سے طرح طرح کی نعمتیں (غلہ۔ میوہ جات وغیرہ) نکلتی ہیں۔ مطلب یہ کہ صُوفی سے کوئی ہزار بُرائی کرے وہ نیکی ہی کرے گا۔ کسی کا قول ہے۔ رحم اللہ قائلہٗ ؎

ما عادتِ خُود بہانہ جوئی نکنیم	باخلقِ خُدا بجز نکوئی نکنیم
آنہا کہ بجائے ما بدیہا کردند	گر دست رسد بجز نکوئی نکنیم

تیسرے موقع پر صُوفیوں کی تعریف میں یُوں ارشاد فرمایا کہ "صُوفیاں قومے اند

قائم بخداوند چنانچہ ایشاں راند اند الا خداوند تعالیٰ"۔ یعنی صوفیہ ایک ایسی قوم ہیں جو خدائے پاک کے ساتھ قائم ہیں۔ اور ان کو سوائے خداوند تعالےٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ مطابق حدیث قدسی اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری یعنے میرے اولیاء میری قباء کے نیچے ہیں۔ میرے سوا اُن کو کوئی نہیں جانتا۔

پھر کسی ایک موقعہ پر آپ نے تصوّف کی تعریف ان الفاظ میں ادا فرمائی کہ "تصوّف از صفا است۔ ہر کہ گزیدہ شود از ما سوائے صوفی است"۔ یعنے تصوّف صفا سے ماخوذ ہے۔ جو کوئی ماسوا کے ترک اختیار کرلے صوفی ہے۔ اور دوسرے کسی مقام پر آپ نے یہی مضمون ان الفاظ میں ادا فرمایا کہ "تصوّف آنست کہ ترا خداوند تعالیٰ از خود بمیراند و بخود زندہ کند"۔ یعنے تصوّف یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ تیری ہستی فناہ کردے اور اپنی ہستی کے ساتھ زندہ کردے یعنے حیاتِ ابدی عطا فرمادے۔ تیسرے کسی اور موقع پر آپ نے تصوّف کی تعریف یوں بیان فرمائی کہ "تصوّف آں بود کہ با خدا باشی بے علاقہ"۔ یعنے تصوّف وہ ہے کہ تو سارے علاقے نفسانی قطع کرکے خدائے پاک کے ساتھ ہو رہے۔

اور چوتھے موقع پر یوں تفصیل فرمائی کہ "تصوّف صافی کردنِ دل است از مراجعت خلق۔ و مفارقت از طبیعت۔ و فرو میراندن بشریت۔ و دور بودن از دواعی نفسانی۔ و فرود آمدن در صفات روحانی۔ و بلند شدن بعلوم حقیقی۔ و بکار داشتن آنچہ اولیٰ تر باشد الی اللہ۔ و نصیحت کردن جملہ اُمت۔ و وفا بجا آوردن۔ و متابعتِ پیغمبر در شریعت"۔ یعنے تصوّف خلقت کی التفات سے دل صاف کرنے۔ اور طبیعت سے مفارقت کرنے۔ اور اوصاف بشریت کے نکال دینے۔ اور خواہشات نفسانی سے دور ہونے۔ اور روحانی صفات کے حاصل ہو جانے۔ اور علوم حقیقی کے ساتھ بلند ہونے۔ اور جو عمل خدا تعالےٰ کی طرف بلند کرنے والا ہو۔ اُس پر کاربند رہنے

تمام اُمت کو نصیحت کرنے اور وفا بجالانے اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی اتباع کرنے کا نام تصوف ہے۔ خلاصہ یہ کہ صوفی وُہ ہے جس میں یہ ساری صفتیں پائی جائیں۔

عاشق نامی حضرت مولانا **جامی** رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیوں کی تعریف اس غزل میں فرمائی ہے۔ جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے ؎

خنکا قومے کہ دیدِ حق بود دیدارِ شاں — محو باشد در شہودِ سرِّ غیب اسرارِ شاں
جملہ در کہفِ فنا از ہستئ خود خفتہ اند — لیک بیدار اند خواب آلودگاں بیدارِ شاں
گرچہ اندایند خورشیدِ جمالِ خود بہ گل — مشرق و مغرب گرفتہ پرتوِ انوارِ شاں
از خدا خواہند سترِ ذاتِ خود. ذاتِ او — ایں بود ساعت بساعت سرِّ استغفارِ شاں
ریختہ بارانِ عرفاں از سحابِ مکرمت — شستہ نقشِ حرفِ غیر از صفحۂ پندارِ شاں
ہر یکے را با خود از سودائے دل بازارہا — ز آتشِ شوق و محبت گرمئ بازارِ شاں
یک دم از طوفِ در و دیوارِ شاں منشیں کہ ہست — صد کشائش از در و صد بہشتی از دیوارِ شاں
کارِ شاں جز نفئ ذات و وصف و فعلِ خویش نیست — اے خدا چہ بود کہ جامی را کنی در کارِ شاں

حضرت خواجہ ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے ایک موقع پر یوں تصوف کی تعریف فرمائی کہ "تصوف حُسنِ خُلق است" یعنے تصوف حسنِ خلق کا نام ہے۔ اور دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا کہ "تصوف حالتیست کہ غائب گرداند صاحب آں را از گفتگو۔ و مے بردتا بخدا۔ و از انجا بیروں گرداند تا خدا بماند۔ او نیست شود" یعنے تصوف ایک حالت ہے کہ جبکہ وُہ (حالت) طاری ہو اُس کو گفتگو سے غایب کردیتی ہے اور خدا تعالےٰ تک لے جاتی ہے۔ اور وہاں سے اُس وقت واپس لاتی ہے کہ وُہ شخص نیست ہوجائے۔ اور خدا تعالےٰ ہی رہ جائے۔ مطلب یہ کہ فنا فی اللہ ہو جائے۔

اور ایک تیسرے موقع پر تصوف کو ایک مذہب قرار دیکر یُوں فرمایا کہ "ایں مذہبیست کہ جدّ او بامزل آمیختہ مگر دانید" یعنے یہ ایک مذہب ہے کہ جس کی راستی کو ناراستی کے ساتھ ملاوٹ نہ ہو۔

حضرت ابو محمد رویم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "تصوف مبنی است بر سہ خصلت تعلق ساختن بافقر و افتقار۔ محقق شدن ببذل وایثار۔ ترک کردن اعتراض واختیار" یعنے تصوف تین خصلتوں پر مبنی ہے (۱) فقر وافتقار کے ساتھ تعلق کرنا (۲) بذل وایثار کے ساتھ متصف ہونا (۳) اعتراض واختیار کی ترک کر دینا۔

حضرت عمر بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی تعریف یُوں فرمائی ہے کہ "تصوف آنست کہ بندہ در ہر وقت مشغول بچیزے بود کہ دراں وقت اولیٰ تر بود" یعنے تصوف وُہ ہے کہ بندہ ہر وقت میں ایسی چیز کے ساتھ مشغول ہو جو اُس وقت میں سب سے اولےٰ تر ہو" یعنے خدائے پاک کی یاد۔

اور حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے صُوفی کی تعریف میں فرمایا کہ "صوفی آنست کہ دل صاف دارد با خُدا" یعنے صُوفی وُہ ہے کہ خُدا کے ساتھ دل صاف رکھے۔ یعنے دل میں ماسوی اللہ کو جگہ نہ دے۔

حضرت ابوالحسن نُوری رحمۃ اللہ علیہ نے کھُلے کھُلے لفظوں میں یہ تفصیل فرما دیا کہ "تصوف نہ علوم است نہ رسُوم۔ اگر علوم بُودے بہ تعلّم حاصل شدے۔ واگر رسوم بُودے بمجاہدہ بدست آمدے۔ بلکہ اخلاق است تخلقوا باخلاق اللہ و بخلق خدا بیرون آمدن۔ نہ برسوم دست دہد نہ بعلوم" یعنے تصوف نہ علوم ہے نہ رسُوم کیونکہ اگر علوم ہوتا تو پڑھنے سے حاصل ہو جاتا۔ اور اگر رسوم ہوتا تو مجاہدہ کے ساتھ حاصل ہو جاتا۔ بلکہ (تصوف نام) اخلاق (کا) ہے یعنے خدائے پاک کے خُلق کے ساتھ ہر ایک سے پیش آنا۔ یہ (تصوف) نہ رسوم سے ہاتھ آتا ہے نہ علوم سے حاصل

ہوتا ہے۔

نیز حضرت ممدوح الصدر نے ایک اور موقعہ پر تصوف کی تعریف یوں فرمائی ہے۔کہ "تصوف ترک جملہ نصیب ہائے نفس است برائے نصیب حق۔" یعنے تصوف تمام حظوظ نفسانیہ کو محض خدا کی رضا جوئی کے واسطے ترک کرنے کا نام ہے۔

ایک اور موقع پر یوں فرمایا کہ "تصوف آزادی است و جوانمردی و ترکِ تکلف است و سخاوت و دشمنیٔ دنیا است۔ و دوستیٔ مولےٰ۔" یعنے تصوف آزادی اور جوانمردی اور تکلف کے ترک کرنے اور سخاوت کے اختیار کرنے اور دنیا سے دشمنی اور خدائے پاک سے دوستی کرنے کا نام ہے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کا خلاصہ ایک مرید خاص کو خلوتِ خاص میں یوں فرمایا کہ "خلاصۂ علوم متداولہ تفسیر و حدیث و فقہ است و خلاصۂ آنہا علم تصوف است و موضوع ایں علم بحث وجود است کہ میگوئید در جمیع مراتب الٰہی وکونے نیست الا ایک وجود ظاہر بصور علمیۂ خود۔ ایں مبحث بغایتِ مشکل و دقیق است کہ مفصل و مجمل دراں خوض کردن موجب ضلالت و زندقہ است چہ دریں عالم سگ و خوک و امثال آں از حیوانات خسیسہ و انواع نجاسات و قاذورات بسیار است۔ اطلاقِ وجود برایںہا کردن درغایتِ قباحت و شناعت و مستثنے ساختن آنہا موجب حزم قاعدہ و خلافِ اصطلاح ایں طائفہ است۔ پس واجب براذکیا آنکہ بتصفیۂ مرأتِ حقیقت خود از نقوش کونیہ مشغول شوند۔ وازاں شغلے بامرے دیگر نہ پردازند۔ تاوقتیکہ بواسطۂ تزکیہ و تصفیہ محل پرتوِ نورِ وجود بر لطیفۂ مدرکہ تابد وایں معنی چنانچہ ہست رو نمائید۔" یعنے مختصر خلاصہ اسکا یہ ہے کہ علوم متداولہ کا خلاصہ علم تفسیر اور حدیث اور فقہ ہے۔اور ان تینوں کا خلاصہ علم تصوف ہے۔ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم تصوف علم شریعت کا مغز ہے

اور عموماً جتنے اقوال اس سے پہلے نقل کئے گئے ہیں۔ وہ ایک طرح سے سب اس کے مؤید ہیں۔ بعض کم فہموں نے علم تصوف کو علم شریعت سے الگ سمجھا ہے۔ انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ بلکہ انہوں نے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ ہمنے تصوف کا ابھی تک ایک حرف بھی نہیں پڑھا۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ سے صاحب کمال جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ یہاں تک کہ ایکدفعہ حضرت خواجہ کی مجلس میں ایک صاحب بیگانہ جامہ پہنکر آئے۔ انکے آنے کے تھوڑی دیر بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ بیگانہ کی بو آتی ہے بلکہ اس شخص کو بالخصوص فرمایا کہ تجھ سے ہی بیگانہ کی بو آتی ہے تو نے لباس بیگانہ پہن رکھا ہے۔ وہ عزیز وہاں سے اٹھا اور ان بیگانہ کپڑوں کو اپنے بدن سے اتار کر پھینک آیا۔

ایک اور موقع پر موضع کاشان میں آپ نے ایک فقیر کو مخاطب کر کے مندرجہ ذیل اشعار میں اسی مضمون کو ادا فرمایا کہ ؎

تو مباش اصلاً کمال این است و بس	رو در وگم شو وصال این است و بس
اے کمان و تیر ہا پرساختہ	صید نزدیک تو دور انداختہ
نحن اقرب گفت من حبل الورید	تو فگندہ تیر فکرت را بعید

حضرت **ابو عبد اللہ محمد بن الفضل** رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی کہ "صوفی آنست کہ صافی شود از بلاہا۔ و غائب شود از جملہ عطاہا" یعنے صوفی وہ ہے جو تمام بلاؤں سے صاف ہو جائے اور خدائے پاک کی عطاؤں میں غائب ہو جائے۔

حضرت خواجہ **ابو الحسن خرقانی** رحمۃ اللہ علیہ کا قول صوفیوں کے بارہ میں یہ ہے کہ "صوفی آنست ہر سخنیکہ گوید شنوندہ آں خدا را بیند" یعنے صوفی وہ ہے کہ جب کلام کرے تو سننے والے کو معرفت الہٰی حاصل ہو جاوے۔ یعنی ہر بات میں

خدا تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھے۔

ایک دوسرے موقع پر آپ نے صوفی کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی کہ "صوفی روزے است کہ با آفتابش حاجت نیست و شبے ست کہ باماہ و ستارہ اش حاجت نیست" یعنے صوفی ایک روشن دن کی مثال ہے جسکو آفتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ایک رات کی مثال ہے جسکو چاند اور ستاروں کی حاجت نہیں ہے۔

ایک تیسرے موقع پر اسی بارہ میں آپ نے فرمایا کہ "صوفی جسمے ست مردہ و دلے است آسودہ۔ و جانے ست سوختہ" یعنے صوفی جسم مردہ اور دل آسودہ اور جان سوختہ کا نام ہے۔

اور حضرت احمد روح الصدر کی نسبت روایت ہے کہ ایک دفعہ اپنے دوستوں کے ہمراہ سات دن فاقے سے تھے۔ ایک شخص خانقاہ میں کھانا لیکر آیا۔ اور اُس نے کہا کہ "نیاز صوفیاں آوردہ ام" یعنے یہ کھانا میں صوفیوں کی نیاز لایا ہوں۔ آپ نے اپنے دوستوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "کہ ہر کہ از شما نسبت تصوف درست کردہ باشد بگیرد و من زہرہ ندارم تا دم صوفیت زنم" یعنے آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کسی نے تصوف کی نسبت درست کی ہوئی ہے یہ کھانا لے لے میں یہ قابلیت نہیں رکھتا کہ میں اپنے صوفی ہونے کا دم ماروں۔

اور حضرت **منصور حلاج** رحمۃ اللہ علیہ کو جب سولی پر چڑھانے لگے تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ بھی سامنے کھڑے تھے۔ اُنہوں نے اسوقت حضرت منصور حلاج سے پوچھا کہ "ما التصوف یا حلاج" یعنے اے حلاج تصوف کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ "کمترین آں این است کہ مے بینید" یعنے سب سے کم درجہ یہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔ حضرت شبلی رح نے پھر سوال کیا کہ "بلند تر کدام است" یعنے اسکا اعلیٰ درجہ کونسا ہے؟ منصور رح نے جواب دیا کہ "شمارا بداں راہ نیست" یعنے تم کو وہاں تک رسائی

ہی نہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کوئی سہل امر نہیں ہے۔
حضرت ابوعبداللہ بردعی رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی کی تعریف میں یہ مختصر جملہ فرمایا کہ "صوفی بخدا و ند بود"۔ یعنے صوفی کے تمام ارادے خُدائے پاک کے ساتھ ہوتے ہیں۔
حضرت ابوالحسن بوشنگی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی صرف یہ مجمل تعریف فرما دی کہ "تصوف کوتاہئی امل است و مداومت بر عمل"۔ یعنے تصوف کوتاہی امل (اُمید) اور مداومت بر عمل کا نام ہے۔
اور حضرت عبداللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ تصوف کے بارے میں یہ ہے۔ کہ "تصوف صبر است در تحتِ مجاریئے اقتدار و فرا گفتن ملک جبار"۔ یعنے تصوف مجاری اقتدار کے نیچے صبر کرنے اور ملک جبار کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا نام ہے۔
حضرت خواجہ ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے صُوفی کی شناخت کے لئے یہ محک قرار دیا کہ "علامتِ صوفئے صادق آنست کہ بعد از عز خوار شود۔ و علامت صُوفیٔ کاذب آن است کہ برخلاف این شود"۔ یعنے سچے صوفی کی علامت یہ ہے کہ عزت کے مراتب حاصل ہونے کے بعد خواری پسند کرے۔ اور جھوٹے صوفی کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کے مخالف ہو۔
حضرت ابوعلی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:۔ الولیّ ھوالفانی فی حال والباقی فی مشاھدۃ الحق لم یکن لہٗ عن نفسہ اخبار ولامع غیر اللہ قرار"۔ یعنے ولی (صوفی کامل) وُہ ہے جو اپنے حال میں فانی ہو۔ اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو۔ ممکن نہو کہ اپنی خبر دے سکے اور خُدائے پاک کے سوائے آرام نہ پائے۔ سچ ہے ؎

تا نگردی بے خبر از جسم و جاں | کے خبر یابی نشانِ بے نشاں

اور حضرت ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ نے اِسی مضمون کو مختلف پیرایوں

میں بیان فرمایا ہے۔ ایک موقع پر فرمایا کہ "تصوف صفت قرب است بعد از کدورتِ بعد" یعنے تصوف قرب کی ایک صفت ہے جو بُعد کی کدورت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔" پھر فرمایا کہ " تصوف معتکف بُودن است بر درِ دوست۔ و آستانہ او بالین کردن اگرچہ مے راندت " یعنے تصوف نام ہے اپنے دوست (خدا تعالیٰ) کے دروازہ پر معتکف ہونے۔ اور اُس کے آستانہ کو بالین کرنے کا۔ اگرچہ وُہ دھتکار ہی بتائے۔

پھر فرمایا کہ " تصوف عصائے احرار است" یعنے تصوف احرار کا عصا ہے۔ اسی طرح صوفی کی تعریف آپ نے مختلف الفاظ میں فرمائی۔ ایک موقعہ پر فرمایا کہ " صوفی آن است کہ صاف باشد بر صفا۔ و بچشاند نفس را طعم جفا۔ و بیند از و دنیا را پسِ قفا۔ و سلوک کند بر طریق مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم " یعنے صوفی وہ ہے کہ صفائی پر صاف ہو۔ اور نفس کو جفا کے لقمے چکھائے اور دُنیا کو پسِ پُشت ڈال دے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے طریق پر چلے "

اور دوسرے موقع پر یوں فرمایا کہ " صُوفی آن است کہ پس از پنجروز بگرسنگی بنالد واگر بنالد او را بابازار فرستند و کسب فرمایند " یعنے صوفی وہ ہے کہ پانچ دن کے فاقے میں رونے لگ جائے۔ اور اگر رونے لگے تو اُس کو بازار بھیجیں تاکہ وُہ کسب کر کے اپنے فاقہ کو دُور کرے۔

حضرت خواجہ ممشاد دِینُوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول تصوف کے بارے میں یہ ہے کہ " تصوف صفائی اسرار است۔ و عمل کردن برضائے جبار۔ و صحبت داشتن با خلق بے اختیار " یعنے تصوف نام ہے اسرار کی صفائی اور خدا تعالیٰ کی رضا پر عمل کرنے۔ اور خلقت سے بے اختیار صحبت رکھنے کا۔

اور حضرت خواجہ ابو عمر نجیب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ تصوف کی نسبت یہ ہے۔ کہ تصوف

صبر کردن است در تحت امر و نہی برضائے حق تعالےٰ" یعنے تصوف خدا تعالیٰ کی امر و نہی کے تحت میں صبر کرنے کا نام ہے۔

اور حضرت خواجہ ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی کی تعریف یہ فرمائی کہ "صوفی آنست کہ سخن از اعتبار گوید" یعنے صوفی وُہ ہے جو اعتبار سے سخن کہے۔

اور حضرت خواجہ ابو جعفر خالدی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ تصوف کی نسبت یہ ہے کہ "تصوف طرح نفس است در عبودیت - و بیروں آمدن از بشریت - و نظر کردن بخدا بکلیت" یعنے تصوف عبودیت میں نفس کو ڈالنے - اور بشریت (کے اوصاف) سے باہر آنے اور خدا تعالیٰ کی طرف کلیۃً نظر کرنے کا نام ہے۔

اور حضرت ابو محمد جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما نے صُوفی کی تعریف میں فرمایا کہ "مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ اَعْرَضَ عَمَّا سِوَاہُ" یعنے جس نے اللہ پاک کو پہچان لیا اُس نے اُسکے ماسوائے سے مُنہ پھیر لیا۔ سچ ہے ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند	فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی	دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

اور حضرت خواجہ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "کہ صُوفی نبود تا وقتیکہ جملہ خلائق را عیال خود نہ بیند یعنی بار ہمہ کشد" یعنے اُسوقت تک صُوفی نہیں ہوتا جب تک کہ تمام خلقت کو اپنا عیال نہ سمجھے یعنے سب کا بوجھ نہ اُٹھائے۔

پھر فرمایا کہ "صوفی آنست کہ منقطع بُود بدو سرا با خدا - و بجز خُدا نہ بیند" یعنی صوفی وُہ ہے جو دونوں جہان میں خدا کے ساتھ سارے علاقے قطع کر کے مِلجائے - اور سوائے خُدا کے کچھ نہ دیکھے۔

پھر فرمایا کہ "صوفیاں اطفال حق اند در کنار حق" یعنے صوفی خدا تعالےٰ کی کنار لطف میں بچوں کی مانند ہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ پاک کو اُنکی بہبودی منظور ہے جیسی ماں باپ

کو اپنی اولاد کی ہوتی ہے۔

حضرت ممدوح الصدر نے تصوف کی تعریف بھی مختلف الفاظ میں بیان فرمائی۔ ایک موقع پر فرمایا کہ "تصوف این است کہ چناں باشی کہ نبودی"۔ یعنے تصوف یہ ہے کہ تو ایسا ہو جائے کہ گویا تو نیست ہے۔ دوسرے موقع پر فرمایا کہ "تصوف شرک است از بہر آنکہ تصوف صیانتِ دل است از غیر۔ و غیر نیست جز تو"۔ یعنی تصوف غیر کی محبت سے دل کے نگاہ رکھنے کا نام ہے اور غیر تیری اپنی ہی ذات ہے۔ اور تیسرے موقع پر یوں فرمایا کہ "تصوف فنائے ناسوتی است و ظہور لاہوتی است"۔ یعنے تصوف فنائے ناسوتی اور ظہور لاہوتی کا نام ہے۔

اور چوتھے موقع پر فرمایا کہ "تصوف خبطِ حواس است۔ و مراعاتِ انفاس"۔ یعنے تصوف حواس (ظاہری) کے کھو دینے اور اپنے سانسوں کی رعایت رکھنے (تاکہ کوئی دم یا سانس بجز ذکر خدا رائیگاں نہ جائے) کا نام ہے۔

اور پانچویں موقع پر فرمایا کہ "تصوف عصمت است از دیدنِ کون"۔ یعنے تصوف جہان کی چیزوں سے محبت اور تعلقات قطع کرنیکا نام ہے۔ اور چھٹے موقع پر فرمایا۔ کہ "تصوف برقے است سوزندہ"۔ یعنے تصوف ایک بجلی جلا دینے والی ہے۔ جو تمام خواہشات نفسانی کو جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ اور ساتویں موقع پر فرمایا۔ کہ "تصوف نشستن است در حضرتِ اللہ بے غم"۔ یعنے تصوف خدا تعالے کے حضور میں بے غم بیٹھنے کا نام ہے۔

اور حضرت خواجہ ابو الحسن حصیری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ "حضرت آپ کا مذہب کیا ہے؟" جواب دیا کہ "مذہب ابو حنیفہ داشتم اکنون بمذہب شافعی شدم۔ اکنوں بخود بچیزے مشغولم کہ از ہیچ مذہبم یاد نمے آید"۔ یعنے میں امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب رکھتا تھا۔ پھر مذہب شافعی کا پیرو ہو گیا۔ اور اب ایک ایسی چیز کے ساتھ مشغول ہوں کہ مجھے کوئی مذہب یاد تک نہیں رہا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا حضرت!

وُہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "تصوف" لوگوں نے مکرر عرض کی کہ "تصوف کس کو کہتے ہیں؟" آپ نے جواب دیا کہ "آنکہ در ہر دو جہان بدون او یا ہیچ آرام نگیرد۔ ونیا سایئد" یعنے تصوف وُہ ہے کہ ایشہ دونوں جہان میں سوائے اُس کے (خدا تعالیٰ) کسی چیز سے آرام نہ پکڑے اور قرار نہ پائے۔ ایک اور موقع پر اسی مضمون کو آپ نے ان الفاظ میں ادا فرمایا کہ "تصوف صفائی دِل ہست از کدوراتِ مخالفات" یعنے تصوف مخالفہ کدورات سے دِل کی صفائی کا نام ہے۔

صوفی کی تعریف ایک موقع پر تو آپ نے یُوں فرمائی کہ "صوفی آنست کہ او را موجود نیاید بعد از عدم خویش۔ و معدوم نہ بیند بعد از وجود خویش" یعنے صوفی وُہ ہے کہ جب وُہ عدم ہو جائے تو موجود نہ ہو اور جب موجود ہو جائے تو معدوم نہ ہو۔ مطلب یہ کہ جب اُس کی بشریت کی اوصاف مر جائیں تو پھر کبھی وُہ اُسکی عود نہ کر آئیں۔ اور جب اُسمیں اخلاق و اوصاف الٰہیہ جلوہ گر ہوں تو وہ فنا نہ ہو جائیں یعنے ہمیشہ قائم باللہ رہے۔ اور دوسرے موقع پر صُوفی کی تعریف میں فرمایا کہ "صوفی آنست کہ وجدِ او وجودِ اوست و صفاتِ او حجابِ وست یعنی من عرف نفسہ فقد عرف ربّہٗ۔"

اور حضرت عارف باللہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک حالت میں کہ خواب و بیداری کے درمیان میں تھی حضرت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو واقعہ میں دیکھا اور پُوچھا کہ یارسول اللہ! خدائے تعالےٰ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ آپ نے فرمایا "مَن استھلك ذاتہ فی ذاتہ وصفاتہ فی صفاتہ۔" یعنی اپنی ذات اور صفات کو خداوند تعالےٰ کی ذات اور صفات میں فنا کردے۔

اور حضرت خواجہ ابوالحسین سروالی الفقیہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی تعریف یُوں فرمائی کہ "تصوف افراد و انفراد یعنی ترک مخلوقات و کفایت ساختن ہمتِ

برائے حق“۔ یعنے تصوف افراد و انفراد یعنے مخلوقات سے تعلق منقطع کرکے محض خدا کے لئے کمر ہمت باندھنا ہے۔

اور ایک موقع پر صوفی کی تعریف آپ نے بدیں الفاظ فرمائی کہ ”صوفی از مقامات و احوال در گذشتہ است آں ہمہ زیر قدم وے است و ہمہ در حال وے جمع“ یعنے صوفی مقامات اور احوال سے گذرا ہوا ہے یہ سارے (مقامات و احوال) اس کے قدموں کے نیچے ہیں۔ اور اُسکے حال میں جمع ہیں۔ اور دُوسرے موقع پر یوں فرمایا کہ ”صوفیاں با واردات باشند نہ با مراد“ یعنی صوفی صاحب واردات ہوتا ہے نہ صاحب ارادہ“۔

اور حضرت خواجہ ابواسحاق گازرونی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ تصوف کے بارے میں یہ ہے کہ ”تصوف کارے سخت است۔ گدائی باید کرد۔ و گرسنگی باید کشید۔ و جفائے برہنگی و خواری باید کشید“ یعنے تصوف ایک بہت بڑا سخت کام ہے جس میں گدائی کرنی پڑتی ہے اور بھوک کے صدمے سہنے پڑتے ہیں۔ ننگا رہنے کی سختی اُٹھانی پڑتی ہے۔ اور خواری دیکھنی پڑتی ہے۔

اور حضرت ابوالعباس نہاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی کہ ”آخر درویشی اوّل تصوف است“۔ یعنی درویشی کی انتہا تصوف کی ابتدا ہے۔ پھر فرمایا کہ ”تصوف پنہاں داشتن احوال است۔ و جان بذل کردن برادراں“۔ یعنے تصوف اپنے حال کے پوشیدہ رکھنے اور اپنے بھائیوں پر جان قربان کرنے کا نام ہے“

اور اکثر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ صوفی کی تعریف یہ ہے کہ اُسے لوگوں کا بُرا یا بھلا کہنا یکساں معلوم ہو۔ اور بُرا بھلا معلوم ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ابھی تک اُس کے دماغ میں بُوئے معنی نہیں پہنچی۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو رح کا قول ہے ؎

گر از دشنام رنجی و شوی از مدح خوش دلی
ولے مرد آں زماں باشی کہ ہر دو گرد ذاتت یکساں

غرضیکہ تصوّف اور صوفیوں کی تعریف میں اسی قسم کے بہت سے اقوال بہت سے بزرگوں نے فرمائے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت شیخ ابوسعید بن ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ "ہفت صد تن از مشائخ طریقت در ماہیت تصوّف سخن گفتہ اند۔ تمام ترین وبہترین ہمہ اقوال این است کہ اَلتَّصَوُّفُ صَرْفُ الْوَقْتِ بِمَا هُوَ اَوْلٰی بِہٖ" یعنے سات سو بزرگان اہل طریقت نے تصوّف کی ماہیت میں اعلٰے حسبِ مراتب اپنے اپنے مذاق اور فہم اور ادراک اور حال کے مطابق کلمات فرمائے ہیں منجملہ اُن سب کے قول بہتر اور اچھا یہ ہے کہ تصوّف وقت کا صرف کرنا ہے اُس چیز میں جو سب سے اولیٰ ہو (یعنی یادِ خدا) اور اسی مضمون کو ایک اور بزرگ نے نظم میں یوں موزون کیا ہے۔ کہ ع

صوفی ابن الوقت باشد اے عزیز

یعنے اے عزیز صوفی ابن الوقت یعنی وقت کی قدر جاننے والا ہوتا ہے۔ مگر اعلٰے صوفی ابوالوقت ہوتا ہے۔ ابن الوقت تو ادنےٰ اور اوسط درجہ ہے۔

چونکہ اب مضمون طویل ہوگیا ہے لہذا صرف انہیں چند اقوال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ خُدا تعالےٰ کرے کہ طالبانِ صادق ان اقوال کو پڑھکر عمل کرکے صوفی بننے کی کوشش کریں۔ اور صُوفی ہونے کے مدعی اپنے حال کو ان اقوال کے مطابق بنائیں تاکہ کوئی نقص اُن کی طرف عائد نہ ہو۔ اور مُنکرین تصوف اس علم کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عاجز عبد اثیم محمد عظیم عفا اللہ عنہ

متوطن گکھڑ۔ مقیم لاہور

اسبابِ محبّت

ناظرین نے رسالہ نمبر۶ میں "حقیقتِ محبت" کی عنوان سے ایک مضمون ملاحظہ فرمایا ہوگا جسکے آخری فقروں میں ہمنے "اسبابِ محبت" پر بحث کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ آج ہم اسبابِ محبت پر ایک مضمون ہدیۂ احباب کرتے ہیں۔ اور اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں۔

پہلا سبب - یہ بات قریبًا ہر ایک انسان پر روشن ہے کہ دُنیا میں آدمی کا سب سے پہلا محبوب اُسکی اپنی ذات ہے۔ یعنی ہر ایک آدمی کو اپنی ذات کے ساتھ بالطبع محبت ہوتی ہے۔ اور دُنیاوی زندگی میں اُس کی سب سے پہلی اور بڑی آرزو یہی ہے کہ میری ذات دنیا میں رہے اور ہمیشہ رہے۔ میرا گلشنِ ہستی ہمیشہ سرسبز اور لہلہاتا نظر آئے۔ اور جس طرح اپنی ذات سے محبت کرنا انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ اسیطرح موت سے ڈرنا اور بھاگنا بھی قدرت نے انسان کی فطرت میں رکھا ہُوا ہے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انسان اپنی ذات سے کیوں محبت کرتا ہے اور موت کو نفرت کی نگاہ سے کیوں دیکھتا ہے۔ اگر موت سے ڈرنے کی یہ وجہ قرار دی جائے کہ انسان اُن واقعات کے ڈر سے جو بعد از مرگ پیش آتے ہیں۔ موت سے بھاگتا ہے تو ہمارے خیال میں موت سے ڈرنے کی یہ وجہ بھی چنداں قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ وُہ لوگ جو بعد از مرگ کسی حساب یا عتاب کے معتقد ہی نہیں وُہ بھی موت کو اسیطرح ناپسند کرتے ہیں جس طرح کہ عذاب و ثواب کا معتقد ناپسند کرتا ہے۔ البتہ کسی مصیبت یا ناقابل برداشت رنج کے وقت میں انسان کبھی کبھی مرنے پر رضامندی ظاہر کرتا ہے۔ اور موت کی تمنا بھی کرتا ہے تو اُس حالت میں اُسکا موت کی آرزو کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ وہ موت کو پسند کرتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ

جب انسان کی زندگی نہایت درد و الم سے گذرتی ہے جسکو نہ تو وہ برداشت کرسکتا ہے اور نہ کہیں بھاگ کر جان بچانے کا موقع اُس کو نظر آتا ہے۔ تو اس بے بسی کی حالت میں وہ موت کی تمنا کرتا ہے۔ پس اس صورت میں موت کی خواہش کرنے سے اُس کو زوالِ مصیبت مدِنظر ہوگا۔ نہ موت کی محبت۔ غرض اس مسئلہ پر ہم کسی پہلو سے بحث کریں لیکن انسان اپنے پیارے وجود کے ہلاک ہونے اور موت کو قبول کرنے پر کسی صورت سے راضی نہیں ہوسکتا۔

جسطرح سے انسان کو اپنے دوامِ وجود کے ساتھ بالطبع محبت ہے۔ اسیطرح اپنے وجود کا کمال بھی دل سے چاہتا ہے۔ یعنی جسطرح اپنی ذات کے معدوم ہونے کو پسند نہیں کرتا اسیطرح اپنے وجود کے ناقص ہونے کو بھی نفرت سے دیکھتا ہے۔ مثلاً کسی کی آنکھ میں ہی درد ہو جائے تو پھر دیکھ لیجے کہ اُس آنکھ کی صحت حاصل کرنے کے واسطے کیا کیا دوا دوش کیجاتی ہے۔ بڑی محنت سے کمایا ہوا روپیہ نہایت بیدردی سے ڈاکٹروں اور طبیبوں کی نذر کیا جاتا ہے۔ اُن کے بجا اور بیجا ناز اُٹھائے جاتے ہیں مسجدوں۔ خانقاہوں میں دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ کڑوی سے کڑوی دوائیں کھائی جاتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ جب غور کر کے دیکھا جاوے کہ ان سب کوششوں کا کیا سبب ہے تو معلوم ہوگا کہ ایک آنکھ کا ضائع ہوجانا کمالِ وجودِ انسانی میں نقصان ڈالتا ہے۔ اسواسطے انسان وجود کو نقصان سے بچانے اور کمال وجود کو قائم رکھنے کیواسطے کوشش کرتا ہے اُسکا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ انسان کا پہلا محبوب اُسکے وجود کا دوام و کمال ہے تو مال کی محبت اولاد کی محبت۔ خویش و اقارب کی محبت یہ سب محبتیں اُسی پہلی محبت کی تابع ہونگی۔ مال سے تو اسلئے پیار کیا جاتا ہے کہ بھوک پیاس بیماری وغیرہ جو انسان کے وجود کے دوام اور کمال میں نقصان ڈالنے والی چیزیں ہیں او

ان کا تدارک سوائے مال کے نہیں ہو سکتا۔ تو مال چونکہ وجود کے دوام اور کمال کا ذریعہ ہے۔ اسواسطے محبوب ہے۔

اولاد اسواسطے محبوب ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد فرزند اس کا جانشین ہوتا ہے اور انسان اپنے دوام وجود کا عاشق ہے مگر ہر روز اپنے عزیزوں اور پیشروں کو دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ شاہراہ عدم سے مجھے بھی ایک دن گذرنا ہے۔ اور میرے اس وجود کو ضرور ایک دن فنا ہونا ہے تو اس حالت میں وہ دوام وجود سے مایوس ہو جاتا ہے اور اپنے بعد کسی اپنے جانشین کو تلاش کرتا ہے۔ جو اس کے بعد اس کا قائم مقام ہو چونکہ بیٹے سے بڑھ کر کوئی دوسرا جانشین نظر نہیں آتا۔ اسواسطے بیٹے کی محبت کو کل مشاغل دنیوی پر ترجیح دیتا ہے۔ اور اس کی خدمت اور پرورش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ اور اپنے بقا نسل کو من وجہ بقائے ذات تصور کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان بے اولادی کے غم کو باقی کل تکلیفوں سے زیادہ محسوس کرتا ہے۔ حتے کہ بے اولادی کی صورت میں کسی غیر کے فرزند کو اپنی فرزندی میں اپنا جانشین قرار دیتا ہے۔ اور اسکو اپنا قائممقام بنا کر اس کے ساتھ بھی ویسی ہی محبت کرتا ہے جیسی کہ اپنی حقیقی اولاد سے ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں اولاد کی محبت بھی اپنے وجود ہی کی محبت ہے۔ ورنہ کسی شخص کو اگر اختیار دیا جائے کہ وہ اپنی موت کو قبول کرے یا اپنے بیٹے کی موت کو۔ تو عقل فیصلہ کرتی ہے کہ اگر اس باپ کے حواس بجا ہوں اور موت کے اندیشے سے اسکے اوسان خطا نہ ہو گئے ہوں تو بیٹے کے قتل ہونے کو وہ اپنے قتل ہونے پر ترجیح دیگا۔ اور اپنے قتل ہونے پر کبھی راضی نہ ہوگا۔ کیونکہ اگرچہ اس کے بیٹے کی زندگی بھی من وجہ اسکی اپنی زندگی ہے۔ لیکن حقیقی زندگی جو کہ اسکے بیٹے کی زندگی سے بڑھ کر ہے

دینا کون پسند کرتا ہے۔
خویش واقارب سے انسان کو اسلئے محبت ہوتی ہے کہ ان کی وجہ سے انسانی وجود دنیا میں بارعب نظر آتا ہے۔ ایک عربی ضرب المثل ہے۔ المرء قلیل بنفسہ کثیر باخوانہ یعنے آدمی تنہا ہو تو کمزور ہوتا ہے بھائیوں کے ساتھ قوی دکھائی دیتا ہے۔ جب کثرت اور سلامتی اخوان بھی کمال وجودِ انسانی کا ذریعہ ٹھہری تو انسان کا ان سے محبت کرنا درحقیقت اپنے ہی وجود کی محبت ہوئی۔
اسی پر اس قسم کی اور چیزوں کی محبت کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس ساری تحریر کا ماحصل یہ ہوا کہ انسان کو اپنے وجود کا دوام اور کمال بالطبع محبوب ہے تو جو چیز انسانی وجود کے دوام اور کمال کا ذریعہ ہوگی وہ ضرور محبوب ہوگی۔ اور جو اسکے برعکس ہوگی اس سے ضرور نفرت ہوگی۔ پس یہی قاعدہ اسبابِ محبت میں پہلا سبب ٹھہریگا۔

دوسرا سبب۔ محبت کا احسان ہے جیسا کہ زبانِ عربی میں ایک ضرب المثل ہے کہ الانسان عبید الاحسان۔ یعنے انسان احسان کا بندہ ہے۔ اور محسن کے ساتھ محبت کرنا انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ یہ محبت انسان کی اختیاری نہیں۔ اور یہ قاعدہ قدرت کا باندھا ہوا ہے جسکو کوئی نہیں توڑ سکتا چنانچہ حضرت سید المرسلین امام المتقین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ دعائیہ ایک جگہ منقول ہیں جنکا مطلب یہ ہے۔ کہ "اے میرے مولا مجھے کسی فاسق کا احسانمند نہ کیجیو۔ ایسا نہ ہو کہ میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جائے"۔ اور دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ "اے میرے مولا مجھے کسی فاجر کا احسانمند نہ کیجیو۔ تاکہ مجھے اس کا بدلہ دنیا اور آخرت میں دینا نہ پڑے"۔ غرض جس طرح وحشی جانوروں کو شکار کرنے کے واسطے جال و پھندے

مقرر ہیں۔ لیکن بنی آدم کے دلوں کو قابو میں لانے کے واسطے جو کمند قدرت نے تیار کر رکھی ہے اس کا نام احسان ہے۔ یا یوں کہئے کہ تسخیر قلوب کا عمل احسان کے چار حرفوں میں پوشیدہ ہے۔ ایک اجنبی سے اجنبی آدمی احسان ہی کی بدولت عمر بھر کے لئے غلام بن جاتا ہے۔ لیکن جب اس پر بھی غور کیا جاوے تو محبت کے پہلے اور اس دوسرے سبب کا نتیجہ ایک ہی ہے۔ کیونکہ محسن وہ ہوتا ہے جو انسان کی مالی یا بدنی امداد کرے۔ یا کوئی اور ایسی مدد کرے جو محسن الیہ کے دوام یا کمال وجود کا ذریعہ بن سکے۔ تو اس صورت میں محسن الیہ کا اپنے محسن کے ساتھ محبت کرنا بھی درحقیقت اپنی ہی ذات کے ساتھ محبت کرنا ہوا۔ ہاں محسن کی محبت اور مال کی محبت میں صرف فرق یہ ہے کہ مال چونکہ دوام و کمال وجود کا ذریعہ ہے اسواسطے محبوب بذاتہ ہے۔ اور محسن لذاتہ تو محبوب نہیں۔ لیکن مال کے حصول کا ذریعہ ہے اسواسطے محبوب ہے۔ یا جیسے صحت اعضاء اور طبیب کی محبت۔ کہ صحت اعضاء چونکہ دوام وجود کا سبب ہے اسواسطے محبوب ہے اور طبیب کے محبوب ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ صحت کے حاصل ہونے کا سبب ہے۔ ورنہ طبیب بذاتہ محبوب نہیں۔ اسیطرح علم اور استاد کی محبت کو قیاس کرلو۔ کہ علم تو لذاتہ محبوب ہے اور استاد چونکہ علم کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اسلئے محبوب ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ محسن الیہ کی محبت محسن کی ذات کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ اُس کے احسان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور احسان محسن کا ایک فعل ہے تو اس محبت کا مدار احسان پر ہوا۔ یعنی اگر محسن احسان کرنا چھوڑ دے یا کم کردے تو محبت باوجود محسن کی ذات کے موجود ہونے کے کم ہو جائیگی یا بالکل زائل ہو جائیگی اور اگر محسن کیطرف سے احسان میں زیادتی ہوگی تو محسن الیہ کی محبت بھی زیادہ ہو جائیگی

تیسرا اور چوتھا سبب محبت کا یہ ہے کہ انسان کسی شے سے محبت کرے اور اس کی وہ محبت محض اُس شئے کے واسطے ہو محب کو کوئی حظ اُس محبت میں اپنی ذات کے لئے مدنظر نہ ہو۔ بلکہ اُس شئے کی ذات اُس کا عین حظ ہو۔ یہی ایک محبت ہے جس کو حقیقی محبت کہتے ہیں یہی محبت ہے جس کے ہمیشہ رہنے کا یقین کیا جا سکتا ہے۔ یہی محبت ہے جس کے درجہ کمال پر پہنچنے کی اُمید ہو سکتی ہے۔ یہ حُسن و جمال کی محبت ہے۔ کیونکہ ہر ایک جمال مدرکِ جمال کے نزدیک محبوب ہوتا ہے۔ یعنی طبع سلیم کو جمال کی طرف ضرور میلان ہوتا ہے۔ اور یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کیوں ہوتا ہے۔ حُسن اور محبت میں ایک تعلق ہے جو انسانی فطرت کے ساتھ قائم ہو چکا ہے۔ جو کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتا۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حسن و جمال کی محبت سے انسان کو کوئی حظِ نفس تو مدنظر نہیں ہوتا تو ہر روز کا مشاہدہ گواہ ہے کہ حسین آدمی محض قضائے شہوت کی غرض سے محبت کئے جاتے ہیں۔ پس جب حسن و جمال کی محبت سے مقصود قضائے شہوت ہوا تو یہ قاعدہ کہ "جمال لذاتہ محبوب ہے" ٹوٹ گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ جمال وہ چیز ہے جس کے ادراک میں صاحبِ ادراک کو لذت آوے۔ اور لذیذ چیز کی طرف طبع سلیم کا میلان ایک قدرتی امر ہے۔ اب اگر خوش شکلوں کو قضائے شہوت کا ذریعہ ہی ٹھہرا دیں تو خوبصورت پرند۔ کھلے ہوئے پھول۔ بہتا پانی۔ سبزہ زار ان سے کونسی شہوت مراد ہوگی۔ اور خود حضور علیہ وآلہ السلام سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ سبزہ زار اور جاری پانی کو بہت پسند فرماتے تھے۔ تو اب کون کہہ سکتا ہے کہ سبزہ زار کو انسان اسواسطے پسند کرتا ہے کہ سبزہ اُس کی خوراک ہے یا بہتے پانی کو اسواسطے پسند کرتا ہے کہ وہ اس کو پینا چاہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سبزہ اور بہتے پانی میں ایک جمال ہے اور اُس جمال کی وجہ سے سلیم طبیعتیں اُسکو فطرتاً پیار کرتی ہیں۔ تو جس شخص کو یہ امر ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالے ہی کی

ذات جمیل ہو تو وہ شخص ضرور ذاتِ باری سے محبت رکھیگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کا جمیل ہونا مخبر صادق علیہ السلام سے ثابت ہے۔ اللہ جمیلٌ ویحبُ الجمال۔ یعنے اللہ تعالے جمیل ہے اور جمال کو دوست رکھتا ہے۔

بعض لوگوں نے اپنے تنگ خیال ہونے کی وجہ سے حسن و جمال کے معنے یہ سمجھ رکھے ہیں کہ گورا رنگ ہے۔ لمبا قد مست اور رسیلی آنکھیں دراز گیسو۔ سفید دانت وغیرہ کا نام ہی حسن ہے اور بس۔ ان کا یہ خیال کہ ظاہر تناسب اعضاء انسانی ہی میں حسن محدود ہے درست نہیں۔ کیونکہ ہم رسالہ نمبر ۱ میں اس مسئلہ کو بوضاحت بیان کر چکے ہیں۔ کہ انسان کی طبیعت میں حسن و جمال کے ساتھ محبت پیدا ہونے کے ذریعے حواس انسانی ظاہری و باطنی ہیں۔ آنکھ کے ذریعے خوبصورت چیزوں سے محبت پیدا ہوتی ہے ذائقہ کے ذریعے لذیذ کھانوں سے۔ کان کے ذریعے اچھی آوازوں سے۔ وغیرہ وغیرہ تناسب اعضاء انسانی جن کے جمال کا ادراک قوتِ باصرہ سے متعلق ہے اسی پر جمال کو منحصر کر دینا اور باقی حواس کے ادراکِ جمال کو بیکار ٹھہرانا زبردستی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر تناسب اعضائے انسانی ہی حسین اور جمیل کہلانیکا مستحق ہے تو خوبصورت گھوڑا۔ خوشنما برتن۔ دلپسند آواز۔ مزیدار کھانا وغیرہ فقروں کے کیا معنے ہونگے۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ حسن و جمال میں انسان چارپائے پرندے بلکہ جمادات بھی شریک ہیں۔ تو لفظ حسن کی تعریف کرنا ضرور ہوا۔

ہر ایک چیز کے حسن کے یہ معنے ہیں کہ اس شئے کے سب کمالات لائقہ جو اس میں ہونے ممکن ہیں اس شئے میں موجود ہوں۔ یعنے جب کوئی چیز اپنے اندر وہ کمالات جن کے وہ لائق ہے یا جو اس شئے کے لائق ہیں اور جو اس شئے میں ہونے ممکن ہیں موجود رکھتی ہو۔ تو اس چیز کو اول درجہ کی حسین شئے کہا جائیگا۔ اور اگر بعض کمالات ممکنہ اسمیں موجود ہوں اور بعض نہ ہوں تو کمالاتِ ممکنہ

جس قدر اُس شئے میں مفقود ہونگے اُسیقدر اُس شئے کے حسن میں نقص ہوگا
چنانچہ بہت عمدہ گھوڑا وہ ہوتا ہے جس میں وہ تمام نشانات و علامات جوکہ ایک گھوڑے
کے لائق ہوتے ہیں موجود ہوں جیسے رنگ۔ شکل۔ رفتار وغیرہ۔ خط خوش اُس
خط کو کہتے ہیں جسمیں وہ سب صفتیں جو ماہران فن خوشنویسی نے خوشخطی کے واسطے مقرر
کی ہیں سب کی سب پائی جاویں۔ یعنے سطریں سیدھی ہوں۔ کرسی درست بیٹھی
ہو وغیرہ وغیرہ۔

غرض ہر ایک چیز جس طرح اپنے کمالات موجود ہونے میں خوبصورت ہوتی ہے
اسیطرح دوسری شئے کے کمالات اُس شئے میں داخل کرنے سے کبھی کبھی بدنما
ہوجاتی ہے جیسے انسان کے وجود میں جن کمالات کا ہونا لائق ہے۔ اُن
کی بجائے اگر گھوڑے کے کمالات لائقہ موجود ہوں تو وہ شخص کبھی خوبصورت نہ
کہلائیگا۔ اور اسیطرح انسانی کمالات والا گھوڑا کبھی محبوب ہوتا ہے۔ اور جو
صفتیں خط میں ہوتی ہیں وہ آواز میں بھلی نہیں معلوم ہوتیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تناسب اعضا۔ آواز۔ طعام وغیرہ کا حسن تو اس
واسطے انسان کو پسند ہے کہ حواس خمسہ ظاہری کے اِن چیزوں میں ادراک سے
طبیعت انسانی میں لذت پیدا ہوتی ہے۔ تو جو چیز حواس خمسہ کے ادراک میں نہ
آسکے۔ انسانی طبیعت میں اُسکے ادراک سے لذت کیسے پیدا ہوگی۔ اور جب
لذت پیدا نہ ہوگی تو اُسکا حسن کیسے متصور ہوسکے گا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ
جس طرح محسوسات میں حسن موجود ہے اسی طرح غیر محسوسات میں بھی ہے جیسے
ہم روزمرہ کی بول چال میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص کا خلق اچھا ہے یا فلاں
شخص میں فلاں خصلت عمدہ ہے۔ علےٰ ہذا علم۔ عقل۔ شجاعت۔ پرہیزگاری۔ تقوےٰ
سخاوت اور مروّت وغیرہ یہ تمام صفات ہیں جو حواس خمسہ ظاہری میں سے کسی

حس کے ادراک میں نہیں آسکتیں۔ اور سلیم طبیعتیں ان صفات کی شیدائی ہیں تو جب یہ قاعدہ مقرر ہو چکا ہے کہ کسی چیز کا محبوب ہونا کسی حس کے ادراک میں آنے پر منحصر ہے اور چونکہ صفات مذکورۂ بالا محبوب انسانی ہیں تو ضرور ہوا کہ کوئی اور بھی ایسی حس ہو جس کے ذریعے طبیعت انسانی کو ان کی طرف میلان ہو جب اس مسئلے پر غور کی جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان کے باطن میں ایک نور ہے جس سے وہ ایسی اشیاء کا ادراک حاصل کر سکتا ہے۔ جن کے ادراک سے حواس ظاہری قاصر ہیں۔ اس نور کو نورِ بصیرت یا چشم بصیرت کہتے ہیں۔ اور اس کا ادراک حواس ظاہری کے ادراک سے بدرجہا قوی ہے۔ اور جس پر ہم رسالہ نمبر ۶ میں ایک مختصری بحث درج کر چکے ہیں۔ صفات مذکورۂ بالا علم۔ عقل وغیرہ کو یہی حس محسوس کرتی ہے۔ اور اس احساس سے صاحب ادراک کو لذت پیدا ہوتی ہے اور اس لذت کی وجہ سے طبیعت کو خود بخود ان صفات کی طرف میلان ہو جاتا ہے جب یہ صفات محبوب انسانی ٹھہریں تو جس شخص میں یہ صفات موجود ہونگی وہ شخص اس آدمی کے نزدیک ضرور محبوب بالطبع ہوگا جو اس کے اوصاف کو جانتا ہو یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ حالانکہ ان کے پاک جسموں کو لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اسیطرح ارباب مذاہب کی محبت بھی ان کے مقلدوں کے واسطے ایک فطرتی امر ہے بلکہ بعض راسخ الاعتقاد مقلدوں کی محبت اپنے امام سے بڑھتے بڑھتے درجۂ عشق تک پہنچ جاتی ہے۔ تو اس حالت میں اپنا تمام مال اپنے مذہب کی امداد میں خرچ کر دینا اس کے نزدیک کوئی بات نہیں ہوتا۔ بلکہ اس خرچ کرنے کو وہ عین سعادت سمجھتے ہیں۔ اور اگر تاریخ کے ورقوں کو الٹ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اپنے امام کی محبت میں مخالفین کے ساتھ جانیں بھی لڑا دی ہیں

اگر کسی مقلد ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یا مقلدین دیگر آئمہ علیہم الرحمۃ سے دریافت کیا جائے کہ آپ کو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ یا دیگر آئمہ ارباب مذاہب سے کیوں محبت ہے۔ ارباب مذاہب تو دُنیا سے تشریف لے جا چکے ہوئے ہیں۔ اور اُنکے مقدس اعضاء کا تناسب نظروں سے غائب ہو چکا ہوا ہے۔ تو ہم نہیں جانتے کہ وہ اسکا کیا جواب دینگے۔ ہاں ہم بحیثیت ایک حنفی المذہب ہونے کے حضرت امام ابو حنیفہ کے ساتھ اپنی محبت کی یہ وجہ بیان کر سکتے ہیں۔ کہ چونکہ حضرت امام صاحب عالم تھے۔ فاضل تھے۔ مجتہد۔ زاہد اور متقی تھے۔ ان صفات کی وجہ سے ہمیں حضرت امام سے محبت ہے۔ ورنہ ہمنے نہ تو آپ کی صورت جسمانی دیکھی ہے اور نہ آپ کے تناسب اعضاء پر ہمنے دل دیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگر ہم آپ کی تناسب اعضاء کو دیکھ پاتے تو شاید اُس کو ہم پیار کرتے یا نہ کرتے پس ہم آپ کی ظاہری صورت کے عاشق نہیں بلکہ آپ کی صورت باطنی کے دلدادہ ہیں جس کے ادراک سے ہمارے حواس ظاہری عاجز ہیں۔ اسیطرح حضرت صدیق اکبر اور حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ عنہما کے محبوں سے اگر پوچھا جائے کہ آپ صدیق اکبر کو بعد الانبیاء سب سے زیادہ محبوب جانتے ہیں یا حیدر مرتضٰے کی محبت میں آپ مبالغہ سے کام لیتے ہیں تو اس محبت کی وجہ بھی وہ یہی بیان کرینگے کہ ہم حضرت صدیق اکبر یا حضرت مرتضٰے رضی اللہ عنہما کے تناسب اعضاء کے شیدائی نہیں ہیں کیونکہ وہ ہمنے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھے بلکہ وہ صفات جن کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق تھے یا حضرت علی مرتضٰے تھے۔ ہماری اس فرط محبت کا باعث ہیں۔

یہاں ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آئمہ اور حضرات صحابہ کی محبت میں انسان کو ایک نفع مدنظر ہے۔ یعنی اُنہوں نے دین کی حفاظت کی اور مسائل استنباط کر کے نجات کا رستہ آسان کر دیا۔ پس اُنکے ساتھ محبت کرنا انسان کا درحقیقت اپنے فائدے کے لئے ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اُنکی محبت میں اگر نفع مقصود ہے تو

حاتم طائی۔ نوشیرواں عادل۔ رستم وغیرہ کے ساتھ انسان جو محبت کرتا ہے۔ ان سے اُس کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ حاتم کی سخاوت سے۔ نوشیرواں کے عدل سے۔ رستم کی شجاعت سے اگر نفع پہنچا ہے تو اُن کے ہمعصروں کو پہنچا ہے۔ ہمیں اُس نفع سے کوئی سروکار نہیں لیکن جب ان کے عدل سخاوت اور شجاعت کے قصے پڑھے جاتے ہیں تو طبائع انکی طرف خود بخود مائل ہوجاتی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صفات بالطبع محبوب ہیں بشرطیکہ محب کو ان کا علم حاصل ہو۔

پانچواں سبب۔ محبت کا ایک مناسبت خفیہ ہے۔ جو محب اور محبوب کے درمیان ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ دو آدمی آپس میں محبت رکھتے ہیں لیکن دونوں میں نہ تو کوئی حسین ہوتا ہے جس کا حسن محبت یعنی باہمی کی وجہ ہو۔ اور نہ کوئی غرض درمیان ہوتی ہے جو محبت کا سبب ہو۔ اس محبت کی تناسب ارواح پر بنا ہے۔ نہ تناسب اعضاء کی خوبی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے جسکا ماحصل یہ ہے کہ ارواحوں کو ایک جگہ جمع کیا گیا۔ اُن پر نور چھڑکا گیا تھا جس جس نے وہاں ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ اُن کی محبت کا دنیا میں سلسلہ قائم ہوگیا اور جن کی وہاں شناخت نہ ہوئی اُن کی دنیا میں بھی محبت نہ ہوگی۔ یہ محبت کا ایک ایسا سبب ہے جس میں عقل حیران ہے لیکن روزمرہ چونکہ مشاہدہ میں آتی ہے اس واسطے اس کو ماننا ہی پڑتا ہے۔

جہاں تک ہمنے اسبابِ محبت پر نظر کی۔ ہمیں یہی پانچ سبب محبت کے نظر آئے ہیں جو ہمنے ہدیۂ احباب کر دئیے ہیں۔ پہلا سبب انسان کی اپنے وجود کے دوام و کمال کی محبت۔ دوسرا سبب انسان کی اُس محسن کے ساتھ محبت جو محسن اس کے وجود کے کمال اور بقا میں امداد کرے۔ اور مہلکات اُس سے دُور کرے۔ تیسرا سبب ایسے محسن کے ساتھ محبت جو اپنی ذات میں تو محسن ہو لیکن محب کی ذات کو اس سے

کوئی نفع نہ پہنچا ہو۔ چوتھا سبب ہر ایک حسن و جمال کے ساتھ محبت خواہ وہ حسن و جمال ظاہری ہو یا باطنی۔ پانچواں اُس شخص کی محبت جس سے محب کی نسبت خفیہ باطن میں قائم ہو۔

تو جہاں یا جس شخص میں محبت کے یہ سارے اسباب موجود ہوں تو ہر ایک آدمی جان سکتا ہے کہ اس جامع صفات وجود کے ساتھ اُس شخص کو ضرور بڑے درجہ کی محبت ہوگی۔ جس کو وجود محبوب میں ان صفات کا علم ہو مثلاً کسی آدمی کے ہاں ایک بیٹا ہو جو حسین بھی ہو۔ خلیق بھی ہو۔ عالم اجل بھی ہو۔ مدبر بھی ہو۔ لوگوں کے ساتھ احسان کرنے والا بھی ہو۔ اور اپنے والدین کا فرمانبردار بھی ہو۔ تو کون ہے جو اُس کو محبوب نہ جانے۔ طبیعتیں اُس کو خود بخود پیار کرینگی۔ اور جس درجہ کی یہ خصلتیں اُسمیں موجود ہونگی اُسی درجہ کی محبت لوگوں کو اُس کے ساتھ ہوگی۔

پس اب ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اسباب محبت سب کے سب اور کامل کسی ذات میں سوائے اللہ تعالےٰ کی ذات کے نہیں پائے جاتے۔ اسی واسطے ذات باری عز اسمہٗ ہی بالحقیقت محبت کی مستحق ہے۔ اور اس کو مفصل ہم کسی دوسرے رسالے میں خدا نے چاہا تو بیان کرینگے۔

ظفر علی۔ ایڈیٹر

انیس الطّالبین

یعنی

مقامات خواجۂ خواجگان سرحلقۂ اولیا و الاصفیا شہنشاہ مشکلکشا

عالیجناب حضرت خواجہ بہاؤ الدّین نقشبند بخاری قدس سرّہٗ

تیّار ہو گئی ہے

رسالہ نمبر ۱ میں بھی اشتہار اس کی نسبت شائع ہو چکا ہے۔ ایسے بیش قیمت تحفے ہر روز میسّر نہیں ہُوا کرتے۔ شائقین کی درخواستیں نہایت زور سے موصول ہو رہی ہیں۔ موقع غنیمت ہے۔ اصحاب کو اس کی خریداری میں سستی نہیں کرنی چاہئے۔ اس میں امام سلسلہ کے حالات ہیں۔ سید الطائفہ کے حالات ہیں۔ اسکو خرید کر اسکے مضامین کو غور سے دیکھئے۔ حضرت شہنشاہ کی زبان مبارک سے نکلے ہُوئے الفاظ چھپوا دئے گئے ہیں۔ اُن کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کتاب زبان فارسی میں ہے۔ مگر فارسی نہایت آسان ہے۔ لکھوائی چھپوائی کاغذ۔ درجۂ اوّل ہے۔ قیمت فی جلد (عہ)

دفتر کتب خانہ انجمن خدّام الصّوفیہ۔ مقام لاہور

لوہاری منڈی۔ مسجد پٹولیاں

سے طلب کرو

ضروری نوٹ

رسالہ نمبر ۱ میں بھی نوٹ درج کیا جا چکا ہے کہ رسالہ انوار الصوفیہ کا سال ختم ہونے کو ہے۔ جن جن دوستوں کے پاس رسالہ نمبر ۱ و ۲ و ۳ وغیرہ موجود نہ ہوں وُہ بذریعہ ایک کارڈ کے دفتر رسالہ ہذا سے رسالے مذکورہ وصول فرمالیں تاکہ سال کے اختتام پر اُن کی جلد نا مکمل نہ رہے۔ ایڈیٹر

رسید زر

جناب شیخ شاہنواز صاحب بی۔ اے۔ نائب تحصیلدار ضلع راولپنڈی	عہ ر
جناب چودھری عطا محمد خان صاحب جاگیردار۔ ضلع میرپور	عہ ر
جناب چودھری میراں بخش صاحب سفید پوش۔ رسول پور۔ ضلع سیالکوٹ	عہ ر
جناب منشی فضل کریم صاحب طالبعلم بورڈ ہائی سکول سیالکوٹ	عہ ر
جناب میاں محمد بخش صاحب پوسٹل پنشنر بٹالہ	عمہ ر
جناب حافظ چراغ دین صاحب سیالکوٹ	عہ ر
جناب صوفی غلام حیدر صاحب اپیل نویس سیالکوٹ	عہ ر
جناب میاں مہتاب دین صاحب نعت خواں لاہور	عہ ر
جناب شیخ محمد دین صاحب ٹھیکیدار۔ لاہور	عہ ر
جناب بابو میراں بخش صاحب۔ دینانگر	عہ ر
جناب حافظ سید عبد الغنی صاحب پوسٹماسٹر پٹھانکوٹ	عہ ر
جناب حاجی میر محمد صاحب عرائض نویس۔ گورداسپور	عہ ر
جناب حافظ فضل الٰہی صاحب ملازم کچہری۔ گورداسپور	عہ ر
جناب منشی فضل الدین صاحب مدرس مراڑہ۔ ضلع گورداسپور	عہ ر
جناب منشی خان محمد صاحب مدرس داؤد۔ ضلع سیالکوٹ	۸ ر
جناب منشی امام الدین صاحب وکیل پٹیالہ	عہ ر

اخبار

جلالتمآب امیر المؤمنین حضور سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ جمعہ ۲۱ جولائی ۱۹۰۵ء کو جامع مسجد سے نماز جمعہ ادا کر کے اپنے دولتسرا کی طرف مراجعت فرما رہے تھے خلقت کا اژدہام تھا۔ راستے میں کسی شقی ازلی تا حال نامعلوم نے ایک بم کا گولہ چھوڑ دیا جس کے پھٹنے سے حضور کے کئی جاں نثار آپ کے سر پر نثار ہو گئے کئی زخمی ہوئے مگر حضور کے استقلال کا یہ حال تھا کہ لوگوں کی سلاموں کا جواب دیتے ہوئے ایسے چلے سے محلسرا میں تشریف لے گئے۔ کہ گویا آپ نے اس واقعہ کو محسوس ہی نہیں کیا الحمد للہ کہ آپ بال بال محفوظ رہے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد — چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

قبلہ و کعبہ قطب زماں حضرت شاہ صاحب علیپوری دامت برکاتہم آجکل کشمیر میں رونق افروز ہیں۔ جن صاحبوں نے خط و کتابت کرنی ہو وہ پتہ ذیل پر کر سکتے ہیں۔ سرینگر کشمیر محلہ مہاراج گنج۔ دوکان خواجہ نور دین صاحب سوداگر

انجمن نعمانیہ لاہور کا اٹھارھواں سالانہ جلسہ اس سال بجائے ماہ دسمبر یا جنوری کے بتواریخ ۶-۷-۸ اکتوبر ۱۹۰۵ء مطابق ۶-۷-۸ ماہ شعبان المعظم ۱۳۲۳ھ بایام جمعہ ہفتہ اتوار تعطیلات دسہرہ میں ٹکسالی دروازہ لاہور میں انجمن کے اپنے مکان پر منعقد ہوگا مضامین جو جلسے میں پڑھے جائیں گے ۱۵ ستمبر تک انجمن میں پہنچ جانے چاہئیں۔ اور اصحاب اپنی تشریف آوری کی خبر معہ ہمراہیاں یکم اکتوبر تک انجمن میں بھیج دیں۔

افسوس ہے کہ خان بہادر ڈپٹی برکت علیخان صاحب رکن اعظم انجمن اسلامیہ لاہور کا ۷، ۸ اگست ۱۹۰۵ء کی درمیانی رات کو انتقال ہو گیا۔ مرحوم اہل اسلام کے ہر حالت میں حامی تھے۔ خدا تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پس ماندوں کو صبر عنایت کرے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

التماس

رسالہ انوار الصوفیہ جس کے انوار آفتاب کی طرح درخشاں ہیں جس کے مضامین علمِ سلوک اور تصوف کے رُوح و روان ہیں۔ اسلام کا لب لباب اور بوستانِ دین کا گل انتخاب کہنا اِسے زیبا ہے۔ اللہ اللہ کتنے اسرارِ رُوحانیت کے گلہائے رعنا اُس میں شگفتہ ہو رہے ہیں۔ قلبِ مومن اگر عرش ہے تو اس رسالہ کا ایک نکتہ اُس عرش کی قندیل ہے یعنی مومنوں کے قلب اُس کے انوارِ فیض سے مُنور ہونگے۔ یہ رسالہ نہیں ہے ایک گلدستہ ہے جسمیں گلشن ایجاد کے نادر پھول سجا کر اصحابِ ذوق کے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ اور رسالوں کی طرح ایک بار مطالعہ کے بعد تقویمِ پارینہ سمجھا جا کر ردی میں پھینکا جانیکے لائق نہیں ہے اس کو دیکھئے پھر دیکھئے بار بار دیکھئے بلکہ اس قدر دیکھئے کہ محوِ تماشا ہو جائیے۔ یہ شاہدِ معنی ہر بار نئے لباس میں جلوہ گری کریگا۔ اور نئی ادا سے صُورت دِکھاوے گا۔ نظر باز آنکھ اور قدردان دل کا ہونا شرط ہے۔ اس کی بیقدری محرومیت کی دلیل ہے۔ آئیے! اِس عزیز کا خیر مقدم کیجئے۔ اور اس کو آنکھوں کی راہ دِل میں اور دِل سے پردۂ جان میں اُتاریئے اور اسکی ہر بار نئی ادا کو ملاحظہ فرمائیے۔ اور اس شعر کو بار بار اس کے حضور میں پڑھئے ؎

ہر دم چمن خُود را رنگِ دگر آرائی
شورے دگر انگیزی ذوقے دِگر افزائی

مگر حدِ ادب نگاہ رہے۔

راقم
ایڈیٹر